بیع حقوق کا مسئلہ

تحقیق: اختر امام عادل

الحمدللہ و کفٰی والصّلوٰۃ والسلام علٰی محمدن المصطفٰیؐ!

عہد جدید نے ایسے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا تصور بھی پچھلے زمانوں میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پچھلے زمانے میں جس چیز کے اندر کسی مالیت کا تخیل تک نہ تھا۔ آج وہ بہترین سرمایۂ حیات بن چکی ہے۔ پہلے ذخیرہ اندوزی کا بھی ایک خاص طریقہ تھا اور جب ادخار اور ذخیرہ اندوزی کی بات کی جاتی تھی تو ایک خاص قسم کا طریقہ کار ذہن میں رقص کرنے لگتا تھا، لیکن موجودہ دور میں ادخار کے ایسے نئے نئے طریقے پیدا ہو گئے ہیں کہ ایک وہ چیز جس کی حفاظت گزشتہ دنوں ایک دن بھی مشکل تھی۔ آج برسوں اس کو اپنی اصلی حالت میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ لطیف چیزیں جن کا ضبط و ادخار کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا آج وہ بآسانی محفوظ کی جا رہی ہیں۔

اس وقت ضرورت ہے کہ مفتیانِ کرام اور علماء اسلام عہد جدید کے تقاضوں پر نگاہ ڈالیں، حالات سے واقفیت اور وقت کی نزاکت کا احساس اس دور کے ہر مسلم محقق کا فرض ہے۔ جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں نئے نئے شوشے پیدا ہو گئے ہیں، وہیں زندگی کے اہم باب یعنی معاملات کے اندر بھی ایسے جدید تقاضوں کی بنیاد پڑ گئی ہے کہ تمام ضرورتوں کو بالائے طاق رکھ کر ان تقاضوں پر نگاہ ڈالنا، اور ان کے حل کی تشکیل کرنا علماء اور دانشوروں پر فرض ہو گیا ہے۔ خرید و فروخت کا مفہوم پہلے محدود دائرہ اور محدود اشیاء میں جاری تھا۔ آج خرید و فروخت کے مفہوم میں جو عموم پیدا ہو گیا اُس کا پچھلے دور سے کوئی تقابل ہی نہیں، اس عموم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بیع کی اصطلاح تبدیل ہو گئی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعات اور قابل خرید و فروخت اشیاء کی بہتات ہو گئی ہے، پہلے جن اشیاء کے اندر ثمنیت اور مالیت کا احساس تک نہیں تھا، آج وہ ثمنیت اور مالیت سے بھرپور نظر آتی ہیں، پھر آخر یہ کیونکر مناسب ہو گا کہ عرف جدید پر عرف قدیم کا حکم لگایا جائے، اور دونوں الگ الگ تقاضوں کو ایک ہی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے خاص طور پر اس وقت جبکہ بیع کی اصطلاحی تعریف میں ائمہ کرام اور علماء متقدمین کے درمیان اختلاف ہو، مناسب ہے کہ بیع کی حقیقت ائمہ کے اختلافات.

کی روشنی میں سمجھ لی جائے، ائمہ کرام کے تمام اختلافات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیع مبادلۃ المال بالمال کا نام ہے، اور مال کا مطلب عین ہے، تو گویا بیع کی تعریف مبادلۃ الاعیان بالاعیان ٹھہری، منافع کی بیع اس نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہوگی۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیع کے مفہوم میں عموم ہے، اور منافع واعیان ہر ایک کی بیع جائز ہے۔

پہلا نقطۂ نظر احناف کی طرف منسوب ہے، اور دوسرا ائمہ ثلاثہ کی طرف، چاروں ائمہ کی کتابوں سے ان کے اپنے اپنے نقطۂ نظر کا ثبوت صراحتاً یا اشارۃً ہوتا ہے۔ چاروں اماموں کی کتب فقہ کے حوالجات مقالہ کو طویل کر دیں گے، جس کا نہ ابھی موقع ہے اور نہ ضرورت، ثبوت کے لئے صرف ایک ایک دو دو حوالہ ہم پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے جو غالب نقطۂ نظر ائمہ ثلاثہ کا ہے، اس کے چند حوالے ہم پیش کرتے ہیں:

شافعیہ:

شوافع کے نزدیک جس طرح اعیان اور مادی اشیاء کی بیع ہو سکتی ہے اسی طرح منافع کی بھی بیع ہو سکتی ہے بشرطیکہ تابید کے طور پر منافع کا مشتری حقدار ہو جائے، اس نسبت کے استناد کے لئے ابن حجر ہیثمی اور ابن القاسم الغزی کے حوالے کافی ہیں۔ ابن حجر ہیثمی بیع کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"عقد یتضمن مقابلۃ مال بمال بشرطہ الاتی لاستفادۃ ملک عین او منفعۃ مؤبدۃٍ"

علامہ شروانی اس کے حاشیے میں مؤبدہ کی تشریح کرتے ہوئے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

"قولہ، "مؤبدۃ" کحق المقر اذا عقد بلفظ البیع."

(حواشی الشروانی علی تحفۃ المحتاج، ص۴/ ۲۱۵ وکذا لک نہایۃ المحتاج، ص۳/ ۳۶۱)

علامہ ابن قاسم غزی اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔

"فاحسنَ ما قیل فی تعریفہ ان تملیک عین مالیۃ بمعاوضۃٍ باذن شرعی او تملیک منفعۃ مباحۃ علی التابید بثمن مالی...... و دخل فی منفعۃ تملیک حق البناء." (حاشیہ الباجوری علی شرح الغزی، ص۱/ ۳۴۰)

علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

حنابلہ:

حنابلہ کے نزدیک بھی بیع کی تعریف میں عین مالیۃ کے ساتھ منفعت مباحۃ دونوں داخل ہیں جیسا کہ علامہ بہوتی کا بیان ہے۔

"مبادلة عين مالية...... او منفعة مباحة مطلقاً بان لا تختص اباحتها بحال دون آخر كمقرد ار او منفعة تحفر بئراً باحدهما اى عين مالية او منفعة مباحةٍ مطلقاً ...... فيشمل نحو بيع كتاب بكتاب او بمقردار او بيع نحوممرفي دار بكتاب او ممر في دار اخرى." (شرح منتہی الارادات، ص۲/۱۴۰ و کشاف القناع، ص۳/۱۳۵)

مالکیہ:

مالکیہ کے نزدیک مشہور تعریف کی رو سے منافع بیع کے مفہوم میں داخل نہیں ہوتے، بیع کی ان کے نزدیک مشہور تعریف یہ ہے۔

"عقد معاوضة علٰى غير منافع، ولا متعة لذة" (المغنی لابن قدامہ، ص۳/۳۵)

اس تعریف کی رو سے اجارہ اور کرایہ کے معاملات اور نکاح کے امور خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کے اندر منفعت اور لذت اندوزی کے معاوضے میں مال دیا جاتا ہے، لیکن مالکیہ کے یہاں بھی بعض روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی بعض حقوق و منافع کی بیع درست ہے، مثلاً مالکیہ کے نزدیک حق تعلّی، اور دیوار پر لکڑی گاڑنے کے حق کی بیع درست ہے۔ علامہ دردیر کا قول ان کی شرح کبیر میں موجود ہے۔

"وجاز بيع (هواء) بالمدّاى فضاء (فوق هواء) بان يقول لصاحب ارضٍ يعنى شرة اذرع مثلاً فوق ما تبنيه بارضک. (ان وصف النباء الاسفل والاعلى لفظاً او عادتاً للخروج من الجهالة والغرور و يملک الا على جميع الهواء الذى فوق بناء الاسفل ولكن ليس له ان يبنى ما دخل عليه الا برضا الاسفل) (الدسوقی علی الشرح الکبیر، ص۳/۱۴)

بعینہٖ یہی مسئلہ امام مالک کی مدونۃ الکبریٰ، ص۱۰/۵۶ میں بھی موجود ہے، اس طرح کی جزئیات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بیع کی مشہور تعریف میں اگر چہ غیر منفعت کی قید لگائی گئی ہے، لیکن یہ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک بھی کسی نہ کسی شکل میں منافع وحقوق کی بیع کی گنجائش ہے۔

حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک مشہور تعریف بیع کی، ''مبادلۃ المال بالمال'' (البحر الرائق، ص ۵/۲۵۶، فتح القدیر، ص ۵/۷۳، مجمع النہر، ص ۲/۳، وغیرہ من الکتاب الفقہ) وغیرہ الفاظ سے کی گئی ہے۔ مال کا مفہوم تو قریب قریب تمام ائمہ کرام کی تعریفوں میں ملتا ہے لیکن مال کا وہ مفہوم جو منافع کے مقابلے میں مراد ہوتا ہے، کیا وہی مفہوم مالیت یہاں مراد ہے؟ یا کچھ اور؟ اس کی تعیین کے لئے ہمیں مال کی تعریف میں فقہاء احناف کی کتابوں میں جو عبارتیں ملتی ہیں، ان عبارتوں کا جائزہ لینا پڑے گا اور دیکھنا پڑے گا کہ مال کا مفہوم ان کے نزدیک عام ہے، یا عین مالیت مراد ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے یہاں مختلف قسم کی عبارات ملتی ہیں، علامہ ابن عابدین شامی مال کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''**المراد بالمال ما يميل اليه الطبع و يمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة و بعضهم والتقوم يثبت بها وبا باحة الانتفاع به شرعاً.** (رد المختار، ص ۴/۳)

اس تعریف کے اعتبار سے مال کے صرف دو عناصر کا ثبوت ہوتا ہے، ایک میلانِ طبع اور رغبت نفس، دوسرے قابل ادخار ہونا، البتہ مالیت کی علامت یہ ہے کہ لوگ جس چیز سے مالدار اور خوشحال ہو جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس شئے کے اندر مالیت ہے۔ اس تعریف کے بعد علامہ شامی حاوی قدسی کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

''**المال اسم لغير الآدمي خلق لمصالح الآدمي و امكن احرازه و التصرف فيه على وجه الاختيار.**'' (حوالۂ سابق والبحر الرائق، ص ۵/۲۵۷)

اس تعریف میں مال کے تین اجزاء کی خبر دی گئی ہے، ایک تو یہ کہ آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز جو انسان کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، اور ثانیاً اس کی حفاظت و ذخیرہ اندوزی ممکن ہو، ثالثاً اس میں تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہو، تو یہ چیز مال کہلاتی ہے، ان دونوں تعریفوں میں کوئی تصریح نہیں کہ مال اعیان کی حد تک محدود ہے، غیر اعیان پر مال کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ ہاں علامہ علاء الدین حصکفی صاحب درمختار نے مال کی جو تعریف کی ہے، اس میں اعیان کی صراحت کی گئی ہے، علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

"والمراد بالمال عین یجری فیه التنافس والابتذال" (الدار المنتقی بهامش مجمع الانھر، ص ۳/۲)

اس وضاحت کے ساتھ کسی اور فقیہ نے مال کو اعیان میں محصور نہیں کیا ہے، تاہم یہ کہنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ مال سے مراد فقہاء احناف نے وہی اعیان لیا ہے، جو منافع کے مقابل بولا جاتا ہے، اس کا واضح تقاضا یہ ہے کہ منافع اور حقوق مجردہ مال کے عموم میں داخل نہ ہوں اسی لئے احناف کے نزدیک حق تعلّی کی بیع درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مال نہیں ہے، صاحب ہدایہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

لان حق التعلی لیس بمال لان المال ما یمکن احرازه." (فتح القدیر، ص ۲۰۴/۵)

حق تسییل کے بارے میں بھی احناف نے بیع کے عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ ردالمحتار، ص ۱۳۲/۴ و شرح المجلہ للاتاسی، ص ۱/ ۱۱۷ میں بصراحت مذکور ہے۔

ان سب جزئیات سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مال کے اندر منافع و حقوق داخل نہیں ہیں لیکن احناف کی انہی مشہور زمانہ فقہی کتابوں میں بعض حقوق اور منافع کو مال کے ذیل میں شمار کیا ہے، اور بعض کو اعیان سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ شامی بدائع کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ذکر فی البدائع و غیره لو تزوجها الحر علی سکنی داره اور کوب دابته والحمل علیها او علی ان تزرع ارضه و نحو ذلک من منافع الاعیان مدة معلومة صحت التسمیة......"

"<u>لان هذه المنافع مال" او الحقت به للحاجة.</u>" (ردالمحتار، ص ۳۳۳/۳)

اس پوری عبارت میں خط کشیدہ عبارت قابل توجہ ہے کہ گھر کی سکونت، جانوروں کی سواری یا باربرداری یا اس سے کاشت کاری وغیرہ جو منافع کی قبیل کی چیزیں ہیں، ان کے بارے میں صراحت کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ منافع مال ہیں۔ ورنہ اس سے کم تو کہا ہی نہیں جا سکتا کہ یہ منافع مال کے حکم میں ضرور ہیں، ایک دوسری عبارت اور ملاحظہ کیجئے۔ صاحب ہدایہ حق مرور کی بیع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اما حق المرور یتعلق بعین تبقی وھو الارض فاشبه الاعیان." (ہدایہ، ص ۴۰/۳)

اس عبارت میں حق مرور کی بیع کو محض اس لئے جائز قرار دیا گیا کہ اعیان سے مشابہ ہے غرض احناف کے نزدیک مال کے مفہوم میں اگر چہ اولاً اعیان آتے ہیں لیکن اس کے باوجود بعض منافع اور حقوق بھی ان کے ذیل میں آ جاتے ہیں اس طرح مال کا اعیان کے ساتھ انحصار باقی نہ رہا، بلکہ اس کا عموم بحال ہوگیا، وہ عموم تو نہ آ سکا جو دیگر ائمہ کرام نے پیدا کیا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ان کے قریب تو پہنچ ہی گیا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہوگئی کہ مال کے مفہوم کے تحت ہر طرح کے منافع وحقوق نہیں تو کچھ نہ کچھ منافع وحقوق بالیقین آتے ہیں، اس لئے بیع کی اصطلاح ان کو بھی شامل ہوگی۔ اور احناف کے نقطۂ نظر سے بھی یہ ماننے سے چارہ کار نہیں ہے کہ بعض حقوق اور منافع کی بیع درسّت ہے۔ البتہ ہمیں اس کی تعیین کرنی ہوگی وہ کون سے حقوق اور منافع ہیں جن کی بیع درست ہے اور کن حقوق ومنافع کی بیع درست نہیں ہے۔

حقوق کا مسئلہ:

اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے حقوق کی قسموں پر غور کرنا پڑے گا۔ بنیادی طور پر حقوق کی دو قسمیں بنتی ہیں۔ (۱) حقوق شرعیہ (۲) حقوق عرفیہ۔

۱۔ حقوق شرعیہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثبوت شارع کی جانب سے ہوا ہو، ان میں قیاس کا کوئی دخل نہ ہو۔

۲۔ حقوق عرفیہ سے مراد یہ ہے کہ جن کے ثبوت کی بنیاد عرف پر ہو، کہ عرف میں کوئی حق چل رہا تھا اور شریعت مطہرہ نے اس کو روکنے کے بجائے اس کو باقی رکھا، یہ حق عرفی ہے۔

پھر ان دونوں طرح کے حقوق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کچھ تو وہ حقوق ہوتے ہیں جو دفع ضرر کے لئے مشروع کئے جاتے ہیں۔

۲۔ اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو دفع ضرر کے لئے مشروع نہیں ہوتے بلکہ مقصود بالذات ہوکر مشروع ہوتے ہیں جن حقوق کا ثبوت اصالتہً اور مقصود ہوتا ہے پھر ان کی چند قسمیں ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

۱۔ حقوق کی ایک قسم تو یہ ہے کہ اشیاء کی ذات سے ایسے منافع وابستہ ہوں جو ہمیشہ کے لئے ان سے متعلق ہوں، یعنی جب تک وہ شئی پائی جائے گی اس کی منفعت بحال رہے گی مثال کے طور پر حق مرور، حق شرب، حق تسیل وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم کا نام ہم حق اسبقیت اور اختصاص رکھ سکتے ہیں کہ کوئی ایسی شی ہے کہ جو کوئی پہلے اس پر قبضہ کر لے گا اس پر اسے حق تصرف حاصل ہو جائے گا، مثلاً جنگل کی گھاس، چشمہ کا پانی، ٹرین کی عام کمپارٹمنٹ کی سیٹیں۔

۳۔ حقوق کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان کو اس میں کسی کے ساتھ نئے معاملے کرنے یا اس کو برقرار رکھنے کا حق حاصل رہتا ہے مثلاً زمین، گھر یا دکان وغیرہ کرایہ پر لگانا اس سے کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسے اپنے لئے رکھے یا کسی دوسرے کے ساتھ اس کا معاملہ کرے یہ تو حقوق کی قسمیں ہیں۔

حقوق کے معاوضہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ بیع کے طور پر اس کا معاوضہ کیا جائے یعنی جس طرح بیع کے اندر مبیع بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح یہ حق بھی منتقل ہو جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صلح اور دستبرداری کے طور پر ہو، یعنی معاوضہ کے بعد دستبردار شخص کا حق ساقط ہو جائے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ جس شخص کے لئے اس نے معاوضہ پر مصالحت کی ہے اس شخص کی طرف وہ حق منتقل ہو کر چلا جائے۔

امام قرافی نے دونوں صورتوں کے درمیان یہی فرق بیان کیا ہے۔

"اعلم ان لحوق والاملاک ینقسم التصرف فیھا الی نقل و اسقاط فاالنقل ینقسم الی ما ھو بعوض فی الاعیان کاالبیع والقرض...... والی ما ھو بغیر عوض کاالھدایا والوصایا...... فان ذالک کله' نقل ملک فی اعیان بغیر عوض."

"و اما الاسقاط فھو اما بعوضٍ کالخلع والعفو علی مال...... فجمیع ھذہ الصور یسقط فیھا الثابت وال ینتقل الی الباذل ما کان یملکه."

"المبذول له من العصمة و بیع العبد و نحوھا." (الفروق للقرافی، ص ۲/۱۱۰، الفرق التاسع وسبعون)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

اس وقت جبکہ حقوق کی تقسیمیں بھی ہوگئیں اور معاوضہ اور مبادلہ کی صورتیں بھی معلوم ہو گئیں اب وقت آیا ہے کہ حقوق کی ہر ہر قسم پر مناسب احکام صادر کئے جائیں۔

حقوق شرعیہ:

حقوق شرعیہ کے بارے میں اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ اس کے اندر قیاس وعرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ سراسر شریعت کی قائم کردہ چیز ہوتی ہے جیسے حق شفعہ، حق ولاء، حق وراثت، حق نسبت، حق قصاص، حق طلاق، حق حضانت اور حق ولایت وغیرہ۔

حقوق کی تقسیم بھی پہلے کی جا چکی ہے۔ ایک وہ حقوق ہیں جو اصالتہً ثابت نہیں ہیں بلکہ دفع ضرر کے لئے ثابت ہیں، مثلاً حق شفعہ وغیرہ ان کو حقوق ضروریہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

کچھ وہ حقوق ہوتے ہیں جو اصحاب حق کے لئے اصالتہً ثابت ہوتے ہیں ان کا نام ہم حقوق اصلیہ رکھ سکتے ہیں۔

فقہاء نے ان دونوں حقوق کے لئے الگ الگ احکام بیان کئے ہیں۔

حقوق ضروریہ کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا مالی معاوضہ نہ بطور بیع کے درست ہے اور نہ صلح و تنازل کے طور پر درست ہے، اس لئے کہ حقوق ضروریہ دفع ضرر کے لئے مشروع ہوتے ہیں اور جب صاحب حق مالی معاوضہ پر اس سے دستبردار ہونے یا فروخت کرنے پر آمادہ ہوگیا تو اس سے خود ثابت ہوگیا کہ اس کو ضرر نہیں تھا اور جب ضرر کا ثبوت نہ ہوا تو وہ حق اس کے لئے ثابت نہ رہا اور معدوم چیز کی بیع درست نہیں ہے۔

رہا حقوق کا معاملہ جیسے حق قصاص، حق وراثت وغیرہ تو اس نوع کا حکم یہ ہے کہ بطور بیع کے تو اس کا تبادلہ درست نہیں ہے البتہ بطور صلح و تنازل کے درست ہے یعنی مثلاً کسی انسان کو حق قصاص حاصل تھا اور پھر وہ حق قصاص سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہوگیا، تو حق قصاص منتقل ہو کر منزول لہ تک چلا جائے اور پھر وہ منزول لہ قاتل کو قتل کر دے ہرگز نہیں، دوسرے لفظوں میں اسے اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقوق اصلیہ ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف انتقال کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے نہ ان کی خرید و فروخت درست ہے اور نہ ان کے اندر ہبہ و وراثت جاری ہوسکتی ہے، اس حکم کی بنیاد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الولا."

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

حقوق ضروریہ اور حقوق اصلیہ کے درمیان حکم کا یہ فرق علامہ بیری نے اشباہ و نظائر کی شرح میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو (شرح الاشباہ والنظائر للبیری (مخطوط) ص ۶۲ و ۶۳۰) اور اس کو علامہ ابن عابدین شامی نے نقل کیا ہے، دیکھئے رد المحتار، ص ۱۶/۴، لیکن یہاں پر یہ شرط ملحوظ رہے کہ حقوق اصلیہ کا تنازل بالمال اسی وقت درست ہے جبکہ وہ حق معاملہ کے وقت موجود ہو اگر اس وقت موجود نہیں ہے اور آئندہ ہونے کی امید ہو تو اس وقت تنازل و صلح بھی درست نہ ہوگی۔

حقوق عرفیہ:

حقوق عرفیہ کا ذکر بھی سابق میں ہو چکا ہے اس سے مراد وہ حقوق ہیں جو اصحاب حق کے لئے عرف کی بنیاد پر ثابت ہوں نہ کہ شرع کی بنیاد پر، مثلاً راستہ پر چلنے کا حق، حق شرب اور حق تسییل وغیرہ۔ جو عرف کے اندر پہلے ہی سے جاری تھا البتہ شریعت نے ان پر پابندی نہیں لگائی بلکہ اس کو باقی رکھا۔

حقوق عرفیہ کی متعدد قسمیں ہیں:

وہ حق انتفاع جو مادی چیزوں کی ذات سے متعلق ہو جیسے گھر کی ذات کے ساتھ سکونت متعلق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ انتفاع ایک خاص معلوم مدت تک کے لئے ہے تب تو یہ اجارہ کے حکم میں ہے اور اس پر اجارہ ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

لیکن اگر اس منفعت کو کسی دوسرے شخص کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاص کر دیا جائے اور صاحب حق اپنا حق انتفاع دوسرے کی طرف علی سبیل التابید منتقل کر دے تو یہ اس منفعت کی بیع ہو گئی اور یہی وہ بیع ہے جس کو فقہاء احناف نے بیع حقوق مجردہ سے تعبیر کیا ہے اس بیع کے جواز و عدم جواز کے بارے میں ائمہ کرام کے نظریات میں سخت اختلاف ہے بعض لوگ جواز کے قائل ہیں اور بعض لوگ عدم جواز کے۔ حقوق مجردہ میں بہت سارے حقوق داخل ہے مثلاً حق مرور، حق تعلی، حق تسییل، حق شرب، دیوار پر لکڑی رکھنے کا حق، دروازہ کھولنے کا حق وغیرہ۔

حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ چونکہ یہ حقوق، حقوق مجردہ کی قبیل سے ہیں اس لئے ان کی بیع درست نہیں ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں ان کی بیع کا جواز معروف ہے مگر حنفیہ کے نزدیک بھی مذکورہ حقوق کا عدم جواز بیع مطلقاً نہیں ہے بلکہ ان کی نصوص فقہ میں جو مختلف روایات ملتی

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چند شرطوں کے ساتھ ان کے نزدیک بھی حقوق مجردہ کی بیع درست ہے تمام نصوص کا نقل کرنا مقالے کی تطویل کا باعث ہوگا، اس لئے ان عبارات کی روشنی میں جو شرائط ماخوذ ہوتے ہیں انہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شرائط کے ذکر سے قبل ان نصوص سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کا خلاصہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ان نتائج کو چار امور میں حصر کر سکتے ہیں۔

۱۔ بیع کی تعریف ہی وہ بنیادی حقیقت ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مبیع کا عین ہونا شرط نہیں ہے بلکہ وہ ان منافع کی بیع کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو علی سبیل التابید فروخت کئے گئے ہوں، مالکیہ کی کتابوں کی بعض جزئیات سے بھی اسی قسم کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔

۲۔ حنفیہ اگرچہ بیع میں مبیع کے عین ہونے کی شرط لگاتے ہیں لیکن وہ حق مرور کی بیع کی اس تعلیل کے ساتھ اجازت دیتے ہیں کہ حق مرور ایک ایسا حق ہے جس کا تعلق عین سے ہے اس لئے بیع کے معاملے میں اس کا حکم وہی ہوگا جو اعیان کا ہے۔

۳۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جن حقوق کا تعلق کسی نہ کسی عین سے ہے ان کا حکم مبیع کے باب میں وہی ہے جو اعیان کا ہے بشرطیکہ وہاں پر بیع کے جواز کے لئے کوئی مانع موجود نہ ہو، مثلاً دھوکہ جہالت وغیرہ کے عناصر اگر اس میں مفقود ہیں تو اس بیع کے جواز میں حنفیہ کو کوئی تامل نہیں ہے۔

۴۔ البتہ جن حقوق کا تعلق اعیان سے نہیں ہے مثلاً حق تعلی وغیرہ ان کی بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے البتہ صلح کے طور پر اس کا معاوضہ لینا جائز ہے جیسا کہ بعض احناف نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ان چار امور کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حقوق عرفیہ کی بیع علی شرط التابید ائمہ الثلاثہ کے نزدیک جائز ہے لیکن احناف ان کی بیع سے یہ کہہ کر روک دیتے ہیں کہ یہ حقوق مجردہ ہیں مگر ان کا حکم اپنے عموم و اطلاق پر نہیں جیسا کہ بظاہر گمان ہوتا ہے بلکہ فقہاء نے بعض ان حقوق کا استثناء کیا ہے جن کا تعلق اعیان سے ہو اس کے علاوہ یہ بھی بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جب سارا مدار عرف پر ٹھہرا تو عرف کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا عرف کی تبدیلی بھی مسلم اور مشاہد ہے عرف کو اتنی اجازت تو ملنی ہی چاہئے کہ اگر وہ بعض چیزوں کو

مال کے ذیل میں داخل کرنا چاہے تو داخل ہو جائیں خصوصاً اس وقت جبکہ مالیت کا وہ پرانا تصور جو ابن عابدین شامی وغیرہ فقہاء کے یہاں ملتا ہے کہ جس چیز سے جو لوگ خوشحال ہونے لگیں وہ مال ہے یہ اس میں موجود بھی ہو اور پھر عامۃ المسلمین کا تعامل اس کو قوت دے رہا ہو اس وقت اس قسم کے حقوق عرفیہ کی بیع کے جواز کا فتویٰ چند شرطوں کے ساتھ دیا جا سکتا ہے، وہ شرطیں یہ ہیں۔

۱۔ حق ابھی قائم ہو، مستقبل میں ہونے کی امید نہ ہو۔

۲۔ حق صاحب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہو دفع ضرر کے لئے اس کا ثبوت نہ ہوا ہو۔

۳۔ وہ حق اس قابل ہو کہ اس کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کیا جا سکے۔

۴۔ حق کو باضابطہ طور پر رجسٹرڈ کرا لیا جائے جس سے احراز و ادخار بھی حاصل ہو جائے اور دھوکہ و جہالت بھی لازم نہ آئے۔

۵۔ وہ حق تاجروں کے عرف میں اعیان اور مال کی طرح چل رہا ہو اور لوگ اس کی خرید و فروخت سے رغبت رکھتے ہوں۔

حقوق اسبقیت:

حقوق عرفیہ کی دوسری قسم جسے ہم نے حق اختصاص اور حق اسبقیت سے تعبیر کیا تھا مثلاً کسی مباح زمین پر کوئی آدمی قبضہ کر کے اس میں کاشت شروع کر دے یا مکان بنوائے یا اس کا احاطہ کروا دے تو وہ زمین جس پر کوئی بھی قبضہ تملک حاصل کر سکتا ہے اس شخص نے جب پیش قدمی کی تو اسے حق اسبقیت حاصل ہو گئی۔

اس حق کی بیع کے بارے میں بہت کم فقہاء نے کچھ لکھا ہے۔ فقہاء شافعیہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ حق اسبقیت کی بیع درست ہے یا نادرست، علامہ رملی نے نہایۃ المحتاج میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح مسلک یہ ہے کہ نہ ان کی بیع اور نہ ان کا ہبہ درست ہے اس کے بالمقابل دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس کی بیع درست ہے (دیکھئے نہایۃ المحتاج، ص ۵/۳۳۶، و مثلہ فی زاد المحتاج کوہی، ص ۲/۴۰۴، و تحفۃ المحتاج مع الشروانی، ص ۶/۲۱۳)

فقہاء حنابلہ سے بھی اس باب میں دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں ایک جواز کا قول

دوسرے عدم جواز کا، علامہ ابن قدامہ نے الکافی میں بغیر کسی اختلاف کے نقل کئے یہ لکھا ہے کہ حق اسبقیت کی بیع درست نہیں ہے البتہ علامہ مرداوی نے الانصاف میں دونوں طرح کے اقوال نقل کئے ہیں اور نہایت وضاحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ...... مذہب یہ ہے کہ بیع جائز نہیں ہے، ہاں علامہ بہوتی نے حنابلہ کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ ناجائز ہونے کی بات صرف بیع کے حق میں ہے بطور صلح و دستبرداری اس کا معاوضہ درست ہے انہوں نے اس مسئلہ کو خلع پر قیاس کیا ہے۔ (دیکھئے شرح منتہی الارادت، للبہوتی، ص ۲/۴۶۴) حنفیہ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔

حق عقد:

حقوق عرفیہ کے ذیل میں ایک تیسری قسم حق عقد یا حق وظیفہ کی آتی ہے جس کا ذکر پہلے مجملاً ہو چکا ہے اس سلسلے کی فقہی عبارات سے کتب فقہیہ بھری پڑی ہیں، ان کے اقتباسات بھی اگر نقل کئے جائیں تو کافی تطویل ہو جائے گی ان فقہی عبارات کی روشنی میں جو مختار مسلک معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے حقوق کی بیع درست نہیں البتہ مالی معاوضہ کے ذریعہ ان سے دستبردار ہونے کی اجازت ہے۔

اب تک جو تحریر کیا گیا وہ اصولی طور پر کیا گیا اس کے تحت ان تمام حقوق کے احکام معلوم کئے جا سکتے ہیں جو ہمارے زمانے میں رائج ہیں اس باب میں کسی فیصلہ کن نتیجہ تک رسائی کے لئے چند امور کی وضاحت ضروری ہے جب تک ان کے بارے میں ذہن کے اندر کوئی واضح تصور قائم نہ ہو گا مسائل کا حل مشکل ہے۔

۱۔ اولاً یہ کہ بیع کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے۔

۲۔ مال کی حقیقت کیا ہے اور کیا اس کی اصطلاح پر عرف اثر انداز ہو سکتا ہے۔

۳۔ ادخار اور احراز کی کیا شکلیں ہو سکتی ہیں اس بارے میں صرف ایک کلیہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ ہر شی کے مناسب شان اس کا طریقہ ادخار ہو گا۔

یہ اور اس قسم کے چند اصول واضح طور پر ذہن میں اتر جانے کے بعد مسائل کا حل آسان ہے اور بحمد للہ ان اصولوں پر اب تک کی معروضات میں کافی بحث ہو چکی ہے مزید کچھ عرض کرنا تطویل کا سبب ہے اس لئے انہی شکستہ سطور پر مقالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب و علمة اتم و احکم

☆ لا اجتهاد عند ظهور النص ☆ نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ☆